eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813

"نشان جگر سوختہ" کے اختصاصی پہلو

SPECIFIC ASPECTS OF "NISHAN-E-JIGAR-E-SOKHTA"

ڈاکٹر عرفان توحید ,   اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
محمد حفیظ، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد
Dr.IrfanTauheed
Assistant Professor, Department of Urdu, Lahore Leads University
Muhammad Hafeez
PhD Schola, GC University, Faisalabad

ABSTRACT

Dr. Saleem Akhtar has been a multi-faceted personality of Urdu Language and Literature who has made very important contributions in Criticism and Literature of Urdu. His services in many fields in Urdu Literature as a critic,translator, satirist and short story writer. He presented many new ideas in Criticism. In the article under consideration, the author has coded social and political situation in his autobiography. The approach is research oriented. Moreover, this scribe has examined Dr. Saleem Akhtar's autobiography in the light of his art and the way he generally takes up his subjects. Dr. Saleem Akhtar has tried to remain objective and balanced in this regard.

KEYWORDS: Urdu Literature, Autobiography, Social, Political, Perspectives.

کلیدی الفاظ: اردو ادب، خودنوشت، سماجی، سیاسی، تناظرات

آپ بیتی فرد کی زندگی کے گزرے لمحات کی کہانی کا نام ہے۔ معاشرے کا ہر شخص اپنی زیست کے اعمال و افعال کو بخوبی تحریری صورت میں پیش کر سکتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ اس کی زندگی میں ایسے عوامل بھرپور انداز میں موجود ہوں، جو دوسروں کی دلچسپی کا بآسانی سامان پیدا کر سکیں۔ دوسرے الفاظ میں اپنی زندگی کے حالات کو خود قلم بند کرنے کا عمل خود سوانح کہلاتا ہے۔ جسے عرف عام میں "آپ بیتی" کہتے ہیں۔[۱] پنجابی زبان میں آپ بیتی کے لیے لفظ "ہڈ بیتی" [۲] استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ بیتی کو خود نوشت

بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں محض حالات ہی نہیں بلکہ مصنف کے احساسات اور جذبات کا اظہار بھی پڑھنے کو بآسانی ملتا ہے۔(۳) یعنی آپ بیتی ایسی تحریر ہے جس میں مصنف خود ہی اپنے مشاہدات کو ضبط تحریر میں لاتا ہے۔(۴) چونکہ آپ بیتی مصنف کی اپنی داستان حیات ہوتی ہے اس لیے ہر مصنف کا انداز بیاں بھی الگ الگ ہوتا ہے اور وہ اپنی رائے قائم کرنے میں پوری طرح آزاد ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے جذبات واحساسات کو بہت سہل انداز میں قارئین کرام تک پہنچا سکتا ہے۔

اردو میں آپ بیتیوں کی روایت کا اگر مختصر انداز میں جائزہ پیش کیا جائے تو مولانا جعفر تھانیسری کی "تاریخ عجیب" کو اردو کی پہلی آپ بیتی سمجھا جاتا ہے۔(۵) جسے عرف عام میں "کالا پانی"(۶) کہا جاتا ہے۔ دوسری اہم آپ بیتی ظہیر دہلوی کی تحریر کردہ "داستان غدر" ہے۔ اس کے بعد خواجہ حسن نظامی کی "آپ بیتی"، مولانا عبد الکلام آزاد کی "تذکرہ"، حسرت موہانی کی "قید فرنگ"، عبد المجید سالک کی "سرگزشت"، جوش ملیح آبادی کی آپ بیتی "یادوں کی برات" سے لے کر ڈاکٹر سلیم اختر کی آپ بیتی "نشانِ جگر سوختہ" تک ایک توانا روایت تو ضرور دکھائی دیتی ہے، مگر اردو کی مختلف اصناف ادب کے مقابل آپ بیتیوں کا سرمایہ انتہائی کم ہے۔ موخر الذکر آپ بیتی کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس میں مصنف نے جن سیاسی و سماجی تناظرات کو بطور خاص شامل کیا ہے۔ ان میں ہندوستان کے زوال پذیر سماجی حالات، اجڑی ہوئی تہذیب کی بازیافت، ہندو مسلم فسادات کے اثرات، تحریک آزادی کے محرکات، فرنگی حکومت سے نفرت کے اظہار، قیام پاکستان کے اسباب اور مسائل سر فہرست ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ میں ڈاکٹر سلیم اختر کی تحریر کردہ آپ بیتی "نشانِ جگر سوختہ" جو کہ ۲۰۰۵ء میں سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ آپ بیتی کے آغاز میں مصنف نے اپنے بچپن کے حالات کو تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ آپ بیتی کے دوسرے باب "نقش و نگار طاق نسیاں" میں انھوں نے اپنے بچپن کے دور میں "پونا" شہر کی سماجی صورت حال کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "مجھے آج کے پونے کا علم نہیں، لیکن چوتھی دہائی کا Exotic
> پونے عجیب مافوق الفطرت فضا کا حامل تھا۔ جادو، ٹونا عام تھا۔"(۷)

ہندوستان کے لوگوں کی توہم پرستی کے تذکرہ کے بعد ڈاکٹر سلیم اختر کی آپ بیتی میں قیامِ پاکستان سے پہلے کی سیاسی صورت حال کو موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ مصنف تحریک پاکستان کے حوالے سے اپنی عملی سیاست کا بھی تذکرہ کرتے ہیں کہ کس طرح انھوں نے خود سیاست میں حصہ لیا تھا۔ تحریک آزادی وطن کے بارے میں مصنف رقم طراز ہیں:

"۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ نے یونینسٹ پارٹی کے خضر حیات کی حکومت کے خلاف تحریک کا آغاز کیا تو پنجاب کے تمام شہروں میں حکومت کے خلاف جلسے جلوسوں کا آغاز ہو گیا۔ اب پاکستان کی منزل قریب نظر آ رہی تھی لہٰذا عوام کا جوش دیدنی تھا۔"(۸)

قیام پاکستان سے پہلے ہندوستان کی سیاسی صورت حال کو موثر انداز میں بیان کرنے کے بعد خودنوشت میں قیام پاکستان کے بعد انھوں نے اہم واقعات کو قلم بند کیا ہے۔ ان واقعات میں بھارت سے پاکستان کی طرف ہجرت کے دوران قتل و غارت گری کا جو بازار گرم کیا گیا، اس کی کوئی مثال ہندوستان میں نہیں ملتی۔ مسلمان خواتین کی آبروریزی کی گئی، بچوں کو تلواروں پر لٹکایا گیا، بوڑھے والدین کے سامنے ان کی جوان اولاد کے گلے کاٹے گئے۔ غرض مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، پاکستان کی تاریخ آج بھی اس ظلم و ستم کی گواہ ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر آپ بیتی میں ان واقعات کا چشم دید تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو منڈی میں جلسہ ہوا۔ ترنگا لہرایا گیا اور فضا" جے ہند" کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ تمام پنجاب فسادات کی خونیں گرفت میں تھا، ارد گرد کے علاقوں کے لٹے پٹے، تباہ حال، زخمی انبالہ میں جمع ہو رہے تھے۔"(۹)

قیام پاکستان کے وقت مہاجرین کی سماجی صورت حال کو بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر سلیم اختر آپ بیتی کے باب چہارم بعنوان "جب آتش جواں تھا" کے پہلے ذیلی باب بعنوان "انجام کا آغاز" میں ہجرت کے دکھوں کے ساتھ لٹے ہوئے مسلمان مہاجرین کی بے سروسامانی، محکمہ بحالیات میں رشوت کا چلن اور طالع آزما سیاستدانوں کا

طرزِ عمل واضح انداز میں دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس بارے میں مصنف رقم طراز ہیں:

"آج کا لاہوری کسی طرح سے بھی ان ایام کا اندازہ نہیں لگا سکتا جب اجڑے لاہور میں لٹے پٹے بے خانماں مہاجرین کی آمد ہوئی۔ گلیاں سنسان، بازار بے رونق، شاہ عالمی تقریباً کھنڈر، پنجاب، دہلی اور یوپی کے مہاجرین، اپنی اپنی بولیوں، یادوں، غموں اور دکھوں کے ساتھ ہرج مرج کھینچتے لاہور آرہے تھے۔ زندہ دلانِ لاہور نے روایتی جوش وخروش سے ان کی پذیرائی اور خدمت کی۔"(۱۰)

آپ بیتی کے ساتویں باب بعنوان "کٹی پتنگ" کے ذیلی عنوان "شکست خواب" میں جنرل ایوب خان کی آمریت کے دور کے اہم خدوخال کو بیان کیا گیا ہے۔ صدر جنرل ایوب خان نے اپنے دورِ حکومت میں بہت سی انقلابی تبدیلیاں کیں تاکہ عوام کے مسائل کم سے کم ہوں اور عام آدمی کا معیارِ زندگی بلند ہو سکے۔ مصنف آپ بیتی میں صدر جنرل ایوب خان کے اہم اقدامات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان حالات میں اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ایوب خان برسر اقتدار آیا تو قوم نے نجات دہندہ سمجھتے ہوئے جی جان سے اس کا استقبال کیا کہ اب نہرو کو جواب دینے والا آگیا ہے۔ لوگوں کو مناسب داموں پر چیزیں ملنے لگیں۔ اشیاء میں ملاوٹ ختم ہوگئی۔"(۱۱)

خودنوشت کے دسویں باب "To sir with love" کے ذیلی عنوان "یونانی المیہ" میں مصنف نے پاکستان کی سیاسی صورت حال کا جائزہ انتہائی اختصار سے تحریر کیا ہے۔ انھوں نے ذوالفقار علی بھٹو سے لے کر ۲۰۰۰ء تک کے سیاسی منظر نامہ کو ایسے ہی پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس طرح مصنف نے "اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" کا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر سلیم اختر پاکستانی سیاسی صورت حال کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"باپ کی پھانسی کے بعد بے نظیر بھٹو جن اعصاب شکن حالات سے دوچار رہی (کہ جان جانے کا خطرہ سر پر لٹکتی تلوار کی مانند) تو اس

آگ میں سے اسے سونا بن کر نکلنا چاہیے تھا لیکن وہ بھی محض وزیر اعظم ہی نکلی، صرف شعلہ بیانی، آگ اگلتی منی ڈریگن۔ "(۱۲)

ڈاکٹر سلیم اختر نے پاکستان کی سیاست کے بارے میں اپنے تاثرات کا برملا اظہار کیا ہے۔ آپ بیتی میں مصنف پاکستان کی سیاسی صورت حال سے متنفر نظر آتے ہیں گو کہ مصنف نظریاتی طور پر جمہوریت کے دل دادہ ہیں مگر وہ اپنے آپ کو کسی بھی سیاسی جماعت یا سیاسی امیدوار کے حق میں ووٹ ڈالنے کے لیے تیار نہیں کر سکے۔ پاکستان کی سیاست میں وہ سیاست دانوں اور آمروں کے کردار کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"مسلم لیگ کی نااہل حکومتوں نے کرپشن، کنبہ پروری، اقرباء نوازی، بیروز گاری، غربت، عدم عدل کی صورت میں قیام پاکستان کے بعد جو کانٹے بوئے تھے آج تک ان کی فصل اپنی بہار دکھا رہی ہے۔ ایوب خان کے مارشل لاء کا اسی لیے پر جوش خیر مقدم کیا گیا تھا کہ اس نے سیاستدانوں کو "بین" کر دیا تھا۔"(۱۳)

مسلم لیگ کی نااہل طرز حکمرانی کو ہدف تنقید بنانے کے بعد مصنف آپ بیتی میں ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے الگ ہو جانے سے پیدا ہونے والی صورت حال کو مصنف نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ہماری سیاسی تاریخ میں سقوط ڈھاکہ ایک بہت بدنما داغ ہے جس کو کسی طرح دھویا نہیں جا سکتا۔ ۱۹۷۱ء میں جب پاکستان دولخت ہوا تو اس صدمے سے تمام قوم دوچار ہوئی۔ مقام افسوس یہ ہے کہ ہم نے بحیثیت ایک پاکستانی قوم اس صدمے سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا بلکہ آج ہمیں پاکستانی ہونے کی بجائے شاید پنجابی، پشتون، سندھی، بلوچی، سرائیکی، کشمیری اور براہوی ہونے پر زیادہ فخر ہے۔ آج کے معاشرے میں بھی ہم فرقہ وارانہ اور لسانی بنیادوں پر تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزر رہے ہیں جو کہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ مصنف آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

"سقوط ڈھاکہ پر بہت لکھا گیا، ہمارے ہاں بھی اور غیر ممالک میں بھی۔ سیاسی صورت حال کے تجزیہ و تحلیل کی ضرورت نہیں کہ ہم پاک تاریخ کو کتابوں میں نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ ہم تو خود تاریخ

ہیں اس لیے ہمیں اپنا تجزیہ و تحلیل کرنی چاہیے۔ ۱۹۴۷ء میں ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم ہندوؤں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے بلکہ ۱۹۷۱ء میں بنگالیوں نے عملاً ثابت کر دیا کہ مسلمان مسلمان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"(۱۴)

پاکستان کی سیاسی و سماجی صورت حال کا تفصیلی جائزہ لینے اور سانحہ سقوط ڈھاکہ کے بعد ملک کی سیاسی صورت حال کو مصنف نے ذوالفقار علی بھٹو اور صدر جنرل ضیاء الحق کے ادوار کے حوالے سے بھی قابل تجزیہ سمجھا ہے۔ آپ بیتی میں ایک ذیلی عنوان "طوائف اور تماشبین" کے تحت مصنف رقم طراز ہیں:

"غالباً ذوالفقار علی بھٹو جیسا ذہین، معاملہ فہم اور زیرک سیاستدان ہماری ساری سیاسی تاریخ میں نہ ملے گا لیکن اسے اس کی شخصیت کے متضاد رجحانات لے ڈوبے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جتنی بھاری قیمت اس نے ادا کی وہ بھی ہماری تاریخ میں آپ اپنی مثال ہے۔ اس لیے بھٹو علامت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ فرد مارا جا سکتا ہے علامت نہیں، علامت ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔"(۱۵)

بھٹو کی سیاست پر اپنے تاثرات کا اظہار کرنے کے بعد "آشوبِ ذات" کے عنوان سے مصنف نے آخری باب میں سعودی عرب میں عمرہ کی ادائیگی کے دوران پیش آنے والے حالات و واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سعودی عرب میں پاکستانیوں کی حالت زار، اہل عرب کی سماجی صورت حال کا جائزہ، پاکستانیوں کی سعودی عرب میں سماجی حالت، غیر ملکیوں کے بارے میں عربوں کا رویہ، مذہبی ہم آہنگی کا احوال اور سعودی معاشرے کے اہم خدوخال کو تفصیلی انداز میں پیش کیا ہے۔ مصنف سعودی عرب کی سماجی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ہر شخص عربوں کا شاکی، ان سے نالاں بلکہ بعض صورتوں میں تو ان سے متنفر ملا، سب کا اس پر اتفاق تھا کہ سعودی عرب میں قانون نام کی کوئی چیز نہیں، وہاں Law کو "لا" سمجھ لیجیے، شاہی خانوادہ قانون سے ماورا ہے۔")۱٦(

"نشانِ جگر سوختہ" میں مصنف نے اہل عرب خصوصاً سعودی عرب کی سیاسی و سماجی صورت حال کو دل چسپ انداز میں بیان کرنے کے ساتھ انھوں نے اپنے عہد کے تمام اہم سیاسی و سماجی حالات و واقعات کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ بیتی میں مصنف قیام پاکستان سے پہلے اور بعد کے اہم ملکی حالات کا تجزیہ بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ فوجی حکومتوں کو ملک و قوم کی تعمیر و ترقی میں ایک بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں تاہم وہ جمہوری قوتوں کے غیر جمہوری اور آمرانہ رویوں پر بھی کھل کر تنقید کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اردو ادب کے لاہور سے شائع ہونے والے ایک اہم ادبی ماہنامہ " شام وسحر " کے مارچ ۲۰۰۷ء کے آپ بیتی نمبر کے خصوصی شمارے میں ڈاکٹر سلیم اختر کی خود نوشت "نشان جگر سوختہ " پر تنقیدی مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔ اس ماہنامہ کے خصوصی نمبر میں نامور ناقدین نے ڈاکٹر سلیم اختر کی شخصیت اور فن تبصرے کیے ہیں اور ان کی گراں قدر ادبی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس ماہنامہ کے ایک مضمون میں انتظار حسین رقم طراز ہیں:

> "ایک ناقد کے لئے معتبر مصنف بننا انتہائی دشوار ہوتا ہے مگر سلیم اختر میں بیک وقت یہ دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کی سوانح عمری یہ واضح کرتی ہے کہ وہ کس قدر معصوم انسان ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کی مایوسیوں اور الجھنوں کو چھپانے کی کبھی کوشش نہ کی۔ ایک مصنف ہونے کے ناتے انہوں نے اپنی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو تحریر کیا۔"(۱۷)

ڈاکٹر سلیم اختر کی شخصیت ایک سادہ انسان کے طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ انھوں نے اپنی بے پناہ علمی قابلیت کے باوجود کبھی اعلیٰ حکومتی اعزازات اور عہدوں پر فائز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ چالیس سال تک درس و تدریس کے شعبے سے منسلک رہے اور اپنے فرائض منصبی کو ایمانداری سے سرانجام دیا۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے بارے میں امجد اسلام امجد لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر سلیم اختر ادبی دنیا میں ایک عمدہ نقاد اور اہم افسانہ نگار کے حوالے سے جانے جاتے ہیں ان کا تیسر اتعارف ایک استاد کا ہے کہ زندگی کے ابتدائی دور کی چند متفرق اور مختصر ملازمتوں سے قطع نظر ان کی عمر کا بیشتر حصہ اردو زبان و ادب کے استاد کی حیثیت سے ملتان اور لاہور میں پڑھاتے گزرا ہے لیکن اس کتاب میں انہوں نے جس خوبصورتی، بے تکلفی اور سچائی سے اپنی شخصیت کے مختلف گوشوں کی نقاب کشائی کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔"(۱۸)

حوالہ جات

۱۔ سہیل احمد خان، سلیم الرحمن، منتخب ادبی اصطلاحات (تالیف)، لاہور: شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء، ص:۳۳

۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات (توضیحی لغت)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص:۱۵

۳۔ ہاشمی، ڈاکٹر رفیع الدین، اصناف ادب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص:۱۶۶

۴۔ ابو الاعجاز صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص:۱

۵۔ محمد عمر رضا، ڈاکٹر، اردو میں سوانحی ادب: فن اور روایت، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء، ص:۱۳۵

۶۔ صبیحہ انور، ڈاکٹر، اردو خود نوشت سوانح حیات: فن و تجزیہ، لکھنؤ: نامی پریس، ۱۹۸۲ء، ص:۱۷۳

۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص:۳۴

۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، ص:۵۷

۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، ص:۵۸

۱۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، ص:۶۰

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، ص:۱۴۸

۱۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، ص:۲۰۸

۱۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، ص:۲۶۶

۱۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، ص:۲۶۷

۱۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، ص:۲۶۷

۱۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشان جگر سوختہ، ص:۳۰۸

۱۷۔ انتظار حسین، خود سے ذرا محبت، مشمولہ: ماہنامہ شام و سحر، لاہور، مارچ ۲۰۰۷ء، ص:۷

۱۸۔ امجد اسلام امجد، نشان جگر سوختہ، مشمولہ: ماہنامہ شام و سحر، لاہور، مارچ ۲۰۰۷ء، ص:۹